چند قواعد فقہیہ کی وضاحت

علامہ ابوالعرفان محمد انور مگھالوی

(قسط نمبر ۱۲)

قاعدہ نمبر ۶۴:

"مَنْ مَلَکَ شَیْئًا مَلَکَ مَا هُوَ مِنْ ضَرُوْرَاتِهِ"

(جو کسی شئی کا مالک بنے گا وہ اس کی ضروریات کا بھی مالک بن جائے گا)۔

یعنی جو شخص کسی شئی کا مالک بنا تو وہ ساتھ ہی ان چیزوں کا بھی مالک بن جائے گا جو اس کے منافع کی تکمیل کا سبب بنتی ہیں اور ان کی موجودگی اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے مکان خریدا یا رہائشی مکان بنانے کے لئے زمین خریدی تو اس عقد کے ساتھ ہی مشتری مکان یا زمین تک پہنچنے والے راستہ کا بھی مالک بن جائے گا اور بائع پر راستہ مہیا کرنا لازم ہوتا ہے کیونکہ جس مکان تک پہنچنے کا راستہ ہی نہ ہو وہ قطعاً رہائش کے قابل نہیں ہوسکتا اور اس سے منافع کا حصول انتہائی دشوار ہوتا ہے۔

۲۔ اگر کسی نے گائے خریدی اس حال میں کہ اس کا دودھ پینے والا بچھڑا اس کے ساتھ ہو تو مشتری گائے کا مالک بننے کے ساتھ ساتھ بچھڑے کا مالک بھی بن جائے گا اور بائع کے ذمہ لازم ہے کہ وہ گائے حوالے کرتے وقت بچھڑا بھی ساتھ سپرد کر دے، اگر چہ عقد کے دوران اس کا نام نہ بھی لیا جائے کیونکہ اس عقد میں مشتری کا حقیقی مقصود گائے سے دودھ حاصل کرنا ہے اور اگر بچھڑا ساتھ نہیں ہوگا تو اس کے لئے گائے سے دودھ کا حصول مشکل ہو جائے گا اور اس کے دودھ نہ دینے کی صورت میں مشتری کے حقیقی مقاصد قطعاً مکمل نہیں ہوں گے۔

المختصر کسی بھی شئی کی وہ چیزیں جن کا پایا جانا اس شئی کے لئے ضروری ہو اور ان کے بغیر اس سے حقیقی منافع حاصل نہ ہو سکتے ہوں تو اس پر ملکیت ثابت ہونے سے وہ تمام چیزیں ملکیت میں آ جائیں گی۔ واللہ اعلم بالصواب

☆ بیع بضر بتہ القانص: شکار کا ایک یا دو مرتبہ جال پھینکنے کو فروخت کرنا۔ (ھدایہ)

قاعدہ نمبر ۶۵:

"لَيْسَ لِاَحَدٍ اَنْ يَّأْخُذَ مَالَ غَيْرِهٖ بِلَا سَبَبٍ شَرْعِيٍّ"

(سبب شرعی کے بغیر کسی غیر کا مال لینا کسی کے لئے جائز نہیں)۔

ہر انسان اپنی ذہنی صلاحیتیں صرف کر کے اور جسمانی مشقتیں برداشت کر کے اپنی معاشی خوشحالی کے لئے طرح طرح کا ساز وسامان جمع کرتا ہے اور اس کے ذریعے اپنی زندگی کو آرام دہ بنانا اس کا معاشرتی اور شرعی حق ہوتا ہے لہٰذا معاشرے کے کسی بھی دوسرے فرد کے لئے اخلاقاً یا شرعاً یہ جائز نہیں کہ وہ اس سے سامان چھین کر اسے ذہنی کرب میں مبتلا کردے اور اسے ہمیشہ کے لئے اپنی دولت کے استفادے سے محروم کردے۔ رب قدوس اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الآية"

(اے ایمان والو! تم آپس میں اپنے مال باطل طریقوں (ناجائز) سے نہ کھاؤ)

گویا رب العالمین نے یہ ارشاد فرما کر ہر ناجائز طریقہ سے کسی کا مال کھانے سے منع فرما دیا ہے۔ یہی آیت کریمہ مذکورہ قاعدہ فقہیہ کی اصل ہے اور اس کی مزید تائید حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔

"قَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَامُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ اَنْ يَّأْخُذَ مَالَ اَخِيْهِ... وَاِنْ اَخَذَهٗ فَلْيَرُدَّهٗ اَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

(حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تم میں سے کسی کیلئے اپنے بھائی کا مال لینا حلال نہیں اور اگر وہ لے لے تو اسے چاہئے کہ وہ واپس کردے)

"قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ "حُرْمَةُ مَالِ الْمُسْلِمِ كَحُرْمَةِ دَمِهٖ وَمَنْ غَصَبَ شِبْرًا مِنْ اَرْضٍ طَوَّقَهُ اللّٰهُ بِهٖ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ"

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی مثل ہے جس نے کسی کی ایک بالشت زمین غصب کی اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں کا طوق پہنائیں گے)۔

ان ارشادات نبویہ سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان بھائی کا مال اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا

☆ثمن: وہ مقدار جس پر عاقدین رضامند ہو جائیں خواہ وہ قیمت سے زائد ہو یا کم☆

عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اگر کسی سے ایسی غلطی سرزد ہوئی پھر اسے چاہئے کہ وہی حقیقی مال اس کے مالک کو واپس کرے اور اصلی مال ضائع ہو جانے کی صورت میں اگر اس کا تعلق ذوات الامثال سے ہو تو پھر اس کی مثال مال دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ"

اور اگر اس کی مثل موجود نہ ہو یا اس کا تعلق ذات القیم سے ہو تو پھر اس کی قیمت ادا کرے جیسا کہ "الجوہرۃ النیرہ" میں موجود ہے:

"وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا لَهُ مِثْلٌ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهٖ اِنْ كَانَ لَهُ مِثْلٌ وَّاِنْ كَانَ مِمَّا لَا مِثْلَ لَهُ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ اَیْ فَاِنْ كَانَ مَوْجُوْدًا وَجَبَ عَلَيْهِ رَدُّهُ بِعَيْنِهٖ وَاِنْ كَانَ هَالِكًا وَجَبَ رَدُّ بَدْلِهٖ لِاَنَّ الْبَدْلَ يَقُوْمُ مَقَامَ الْمُبْدَلِ فَاِنْ غَصَبَ مِثْلِيًّا فِيْ حِيْنِهٖ وَ اَوَانِهٖ وَانْقَطَعَ عَنْ اَيْدِی النَّاسِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلٰى مِثْلِهٖ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ يَوْمَ يَخْتَصِمُوْنَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَوْمَ الْغَصْبِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَّزُفَرُ اٰخِرَ مَا انْقَطَعَ عَنْ اَيْدِی النَّاسِ...... وَقَالَ الْكَرْخِیُّ اِذَا غَصَبَ مَالًا مِثْلَ لَهُ فَعَلَيْهِ قِيْمَةُ يَوْمِ الْغَصْبِ اِجْمَاعًا"

(الجوہرہ النیرہ، ج ۲، ص ۳۶، کتاب الغصب)

(جس نے کسی کی کوئی شئی غصب کی پھر وہ اسکے پاس ہلاک ہوگئی تو اس پر اس کی مثل ضمانت ہوگی۔ اگر وہ مثلی اشیاء میں سے ہو، اور اگر مثلی اشیاء میں سے نہ ہو تو اس کے ذمہ اس کی قیمت لازم ہوگی یعنی اگر غاصب کے پاس مغصوبہ شئی موجود ہو تو اس کا عین لوٹانا اس کے ذمہ واجب ہے اور اگر وہ اس کے پاس ضائع ہو جائے تو اس کا بدل لوٹانا اس کے ذمہ واجب ہے کیونکہ بدل مبدل منہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اگر مغصوبہ چیز غصب کے وقت مثلی تھی اور پھر لوگوں کے پاس اس کی مثل معدوم ہوگئی اور وہ اس کی مثل لوٹانے پر قادر نہ رہا تو پھر وہ اس کی قیمت ادا کرے گا اور اس صورت میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یوم خصومت کی قیمت کا اعتبار

☆ خیارِ عیب: خرید کردہ چیز کو کسی عیب نکلنے کی وجہ سے واپس کرنے کا اختیار رکھنا ☆

ہوگا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یوم غصب کی قیمت کا اعتبار کیا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ اور امام زفر نے کہا کہ جس دن وہ شئی لوگوں کے ہاتھوں میں معدوم ہوئی اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور امام کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب کسی نے ایسی شئی غصب کی جس کی مثال موجود ہی نہ ہو تو بالاجماع غاصب پر غصب کے دن کی قیمت دینا لازم ہوگی)۔

اسی طرح کنز اور دیگر کتب فقہ میں بھی موجود ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قاعدہ نمبر ۶۶:

"اِذَا سَقَطَ الْاَصْلُ سَقَطَ الْفَرْعُ"

(جب اصل ساقط ہوتا ہے تو فرع بھی ساقط ہو جاتی ہے)۔

یعنی جب اصل سے ایک حکم ساقط ہو جائے تو فرع سے بھی وہ ساقط ہو جائے گا۔

مثالیں:

۱۔ جب مدیون (مقروض) اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے کسی کو اپنا کفیل بنالے تو اس صورت میں دائن (قرض دینے والا) جس طرح اپنے قرض کا مطالبہ مقروض یعنی اصل سے کر سکتا ہے اسی طرح وہ اپنے قرض کا مطالبہ کفیل (فرع) سے بھی کر سکتا ہے، مگر جب دائن نے مقروض کو اپنا قرض معاف کر دیا یا کسی بھی سبب سے اسے قرضے سے بری کر دیا تو اصل سے قرض ساقط ہونے کے سبب کفیل (فرع) سے بذاتِ خود ساقط ہو جائے گا اور اس کے بعد کفیل ادائیگی کا پابند نہیں رہے گا۔

۲۔ جب مؤکل فوت ہو جائے یا مجنون (پاگل) ہو جائے تو وکیل کی وکالت ساقط ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس پر کسی غیر کا حق نہ ہو۔

۳۔ اگر شہود اصلیہ کی شہادت رد ہو جائے تو فرعی گواہوں کی شہادت بذاتِ خود رد ہو جاتی ہے کیونکہ شہود اصلیہ کی شہادت اصل ہے اور شہود فرعیہ کی شہادت فرع ہے اور اصل کے ساقط ہونے سے فرع بذاتِ خود ساقط ہو جاتی ہے۔

☆ خیار رؤیت: بغیر دیکھے کوئی چیز کر دیکھنے کے وقت واپس کرنے کا اختیار رکھنا ☆

قاعدہ نمبر ۶۷:

"اِذَا بَطَلَ الشَّیْءُ بَطَلَ مَا فِیْ ضِمْنِہٖ"

(جب کوئی شئی باطل ہوگئی تو اس کے ضمن میں آنے والی شئی بھی باطل ہو جائے گی)۔

یعنی متضمن (ضمن میں لینے والا) کے باطل ہونے سے متضمن (جسے ضمن میں لیا گیا ہو) بھی باطل ہوجاتا ہے۔

مثالیں:

۱۔ جب فریقین کے درمیان صلح ہوئی اور اس میں انہوں نے ایک دوسرے کو اپنے اپنے حقوق سے مخصوص شئی کے عوض یا بلاعوض بری کردیا تو اس میں صلح متضمن ہے اور ابراء (بری کرنا) متضمن ہے۔ اسی طرح متعاقدین کے مابین عقد طے پایا اور اس ضمن میں ایک نے دوسرے کے متعلق یہ اقرار کیا کہ اس کی اتنی رقم یا فلاں شئی میرے ذمہ واجب الادا ہے تو اس صورت میں عقد متضمن ہے اور اقرار متضمن ہے۔ مگر اس کے بعد صلح اور عقد باطل قرار دیئے گئے تو چونکہ اب متضمن باطل ہوچکا ہے اس لئے متضمن یعنی ابراء اور اقرار بھی باطل ہوجائیں گے۔

۲۔ اگر کسی نے دوسرے کو کہا "بعتک دمی بالف" (میں نے تمہیں اپنا خون ہزار کے عوض فروخت کیا) پھر اس نے اسے قتل کردیا تو اس میں قصاص واجب ہوگا۔ اس مثال میں خون کی بیع متضمن ہے اور قتل کی اجازت متضمن ہے کیونکہ یہ خون کی بیع کے سبب ہی ثابت ہورہی ہے۔ مگر خون کی بیع شرعاً باطل ہوتی ہے اس لئے متضمن کے باطل ہونے کے سبب متضمن (قتل کی اجازت) بھی باطل ہوجائے گا، نتیجتاً قصاص واجب ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۶۸:

"اِذَا بَطَلَ الْاَصْلُ یُصَارُ اِلَی الْبَدْلِ"

(جب اصل باطل ہوجائے تو اسے بدل کی طرف پھیر دیا جائے گا)۔

یعنی اگر کسی کے ذمہ کوئی شئی واجب الادا ہو اور وہ اس کے پاس سے ضائع ہوجائے تو اس پر اس کا

☆شیخین: فقہ میں شیخین سے مراد امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف ہیں (رحمہما اللہ تعالی) ☆

بدل دینا لازم ہوگا۔ چاہے وہ اس کی مثل کوئی شئی ہو یا اس کی قیمت ہو اس طرح ایسا عمل جسے بجالانا آدمی کے ذمہ لازم ہو اور پھر کسی عذر کے سبب وہ اسے ادا نہ کر سکے تو اس کے بدل کی ادائیگی اس پر لازم ہوتی ہے۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے دورانِ ماہ ایک ماہ کی مدت کے لئے اجارہ کیا تو اس کا حساب دنوں سے لگایا جائے گا اور تیس دن شمار کر لئے جائیں گے۔ چونکہ اس عقد میں اصل قمری ماہ کی تکمیل ہے چاہے اس میں انتیس دن ہوں یا تیس مگر دورانِ ماہ عقد ہونے کے سبب قمری ماہ کی تکمیل متعذر ہے اس لئے اس کے بدل کی طرف اسے پھیر دیا جائے گا اور وہ تیس دن ہیں۔

۲۔ رمضان المبارک کے روزے ہر عاقل، بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ مگر جب کوئی بیماری یا بڑھاپے کے سبب انہیں ادا کرنے سے معذور ہو تو ان کا بدل یعنی فدیہ دینا لازم ہوگا ورنہ فرض ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا۔

۳۔ نمازِ جمعہ ہر مکلف مسلمان پر فرض ہے بشرطیکہ نمازِ جمعہ کے وجوب کی شرائط موجود ہوں مگر جب کوئی نمازِ جمعہ امام کے ساتھ ادا نہ کر سکے تو اس پر اس کے بدل نمازِ ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور اس کے سبب اس کے ذمہ سے وقتی فرض ساقط ہو جائے گا۔

۴۔ اگر کوئی فرض نماز وقت میں ادا نہ کر سکے تو اس کی قضا لازم ہوتی ہے کیونکہ ادا اصل ہے اور قضا اس کا بدل ہے اور اصل باطل ہونے سے حکم بدل کی جانب پھر جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مغصوبہ شئی کی واپسی بھی اسی قاعدہ کی مثال ہے جس کی وضاحت قاعدہ نمبر ۶۶ کے تحت گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قاعدہ نمبر ۶۹:

"اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِهٖ مَالَمْ یَقُمْ دَلِیْلُ التَّقْیِیْدِ نَصًّا اَوْ دَلَالَةً"

(مطلق اپنے اطلاق پر ہی جاری رہتا ہے جب تک نصاً یا دلالۃً دلیل تقیید قائم نہ ہو جائے)۔

☆صاحبین: فقہ میں صاحبین سے مراد امام ابو یوسف و امام محمد ہیں۔ (رحمہما اللہ تعالیٰ)

مطلق کی تعریف:

"اَلْمُرَادُ بِہٖ الْحِصَّۃُ الشَّائِعَۃُ فِیْ اَفْرَادِ الْمَاھِیَۃِ مِنْ غَیْرِ مُلَاحَظَۃِ خُصُوْصِ کَمَالٍ اَوْ نُقْصَانٍ اَوْ وَصْفٍ" (حاشیہ اصول الشاشی، ص ۹)

(مطلق سے مراد ایک ماہیت کے افراد کا وہ مشترک حصہ ہے جو کمال، نقصان یا وصف کی خصوصیت کا لحاظ کئے بغیر تمام میں یکساں پایا جائے)۔

مثالیں:

۱۔ بارش کا پانی پاک ہوتا ہے۔ اور اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں کسی قسم کی نجاست ملنے کا شبہ نہ ہو کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: "وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا" (فرقان، پ:۱۹، ۴۸) (اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل فرمایا)۔ یہ آیت کریمہ بارش کے پانی کی طہوریت کے ثبوت کیلئے مطلق ہے۔ لہٰذا یہ حکم اپنے اطلاق پر برقرار رہے گا جب تک کوئی ایسی دلیل قائم نہ ہو جائے جس سے پانی کا نجس ہونا ثابت کیا جاسکے۔

۲۔ اگر موکل نے اپنے وکیل کو سامان فروخت کرنے کی اجازت مطلق دی تو وکیل موکل کا سامان اس قیمت پر بیچ سکتا ہے جو وہ مناسب خیال کرے، چاہے وہ قیمت کم ہو یا زیادہ۔ مگر اس کے برعکس جب موکل نے وکیل کے لئے سامان کی قیمت متعین کردی تو پھر اسے اس سے کم قیمت پر فروخت کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ اس صورت میں دلیل تقیید نصاً قائم ہے۔

۳۔ اگر کسی نے دوسرے کو کوئی شئی خریدنے کیلئے وکیل مقرر کیا اور اس صورت میں اس کیلئے قیمت خرید متعین نہ کی تو اس صورت میں وکیل کیلئے مثلی قیمت یا غبن یسیر کے عوض اس شئی کو خریدنا جائز ہے۔ مگر اس کے برعکس غبن فاحش کے ساتھ خریدنا جائز نہیں، گو بظاہر اس کی وکالت مطلق ہے مگر دلالۃً غبن فاحش کی جانب تجاوز نہ کرنے کی قید سے مقید ہے۔ (ہکذا فی الکنز)

قاعدہ نمبر ۷۰:

"اَلْاَصْلُ فِی الصِّفَاتِ الْعَارِضَۃِ الْعَدَمُ"

(صفات عارضہ میں اصل ان کا عدم وجود ہے)۔

یعنی بنیادی طور پر صفات عارضہ موجود نہیں بلکہ بعد میں لاحق ہوتی ہیں۔

☆ طرفین: فقہ میں طرفین سے مراد امام ابوحنیفہ وامام محمد ہیں۔ (رحمہما اللہ تعالیٰ) ☆

صفت کی دو قسمیں ہوتی ہیں: (۱) صفت اصلیہ، (۲) صفت عارضہ۔

صفت اصلیہ کی تعریف:

"هِيَ حَالَةٌ تُوجَدُ مَعَ وُجُودِ الْاَصْلِ كَالصِّحَّةِ وَالْحَيَاةِ وَالْبَكَارَةِ"

(صفت اصلیہ سے مراد وہ حالت ہوتی ہے جو ابتداء سے ہی اصل کے وجود کے ساتھ پائی جاتی ہے، جیسے صحت، زندگی اور بکارت وغیرہ)۔

صفت عارضہ کی تعریف:

"هِيَ حَالَةٌ لَا تَكُونُ مَوْجُودَةً مَعَ الْاَصْلِ بَلْ عَارِضَةً كَالرِّبْحِ وَالْعَيْبِ وَالْمَرَضِ"

(صفت عارضہ سے مراد وہ حالت ہے جو ابتداءً اصل کے ساتھ موجود نہیں ہوتی بلکہ بعد میں اسے عارض ہوتی ہے جیسے نفع، عیب اور بیماری وغیرہ۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے اپنا مال مضاربت پر دیا اور پھر مضارب اور رب المال (مال کا مالک) کے درمیان نفع کے بارے میں اختلاف ہو جائے اس طرح کہ مضارب کہے نفع حاصل نہیں ہوا اور رب المال یہ کہے کہ نفع حاصل ہوا ہے تو مذکورہ قاعدہ کے مطابق مضارب کا قول معتبر ہوگا کہ صفت عارضہ ہونے کے سبب اصل نفع کا عدم وجود ہی ہے۔ بشرطیکہ رب المال نے اپنے قول کے ثبوت میں بینہ قائم نہ کیے۔ ورنہ رب المال کا قول معتبر ہوگا۔

اسی طرح اگر دونوں کے مابین نفع کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو قول مضارب کا معتبر ہوگا کیونکہ اس نے کم مقدار کا دعویٰ کیا جبکہ رب المال نے زیادہ مقدار کا اور اصول "اَلْاَصْلُ عَدَمُ الزَّائِدِ" ہے۔ مگر اس کے برعکس جب رب المال نے اپنا قول گواہوں کی شہادت سے ثابت کر دیا تو پھر اعتبار اس کا ہوگا۔

۲۔ اگر ایک آدمی نے دوسرے کو کوئی شئی دی پھر کچھ مدت کے بعد دونوں کے درمیان یہ اختلاف ہو گیا کہ دینے والے نے کہا "میں نے وہ شئی بطور قرض دی تھی" اور لینے والے نے کہا "تم

نے بطور ہدیہ دی تھی'' تو اس اختلاف میں چیز دینے والے کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ شئی مال متقوم میں سے ہے اور مال متقوم میں اصل قیمت کی ادائیگی ہوتی ہے جبکہ ہدیہ کا مدعی قیمت کی ادائیگی سے برات کا اظہار کر رہا ہے تو کیونکہ مال متقوم میں قیمت سے برات کا اظہار صفت عارضہ ہے اور اس میں اصل عدم وجود ہے اس لئے ہدیہ کا دعویٰ باطل ہوگا۔

۳۔ اگر بائع اور مشتری کے درمیان مبیع کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ہو جائے بائع نے کہا کہ مشتری نے مبیع دیکھی ہوئی ہے اس لئے اسے خیار رویت حاصل نہیں ہوسکتا اور اس کے برعکس مشتری نے قول عدم رویت کا کیا تو اس میں مشتری کا قول قبول کیا جائے گا اور اسے خیار رویت حاصل ہوگا کیونکہ اس میں اصل عدم رویت ہے۔

ہاں اگر دونوں کے درمیان مبیع میں عیب پائے جانے کے بارے میں اختلاف ہو جائے یعنی بائع نے کہا کہ مبیع جب تمہارے حوالے کی گئی تھی اس میں کوئی عیب نہیں تھا جبکہ مشتری کا دعویٰ اس کے برعکس ہو تو اس میں قول بائع کا معتبر ہوگا کیونکہ اس میں اصل مبیع میں عیب نہ پایا جانا ہے۔

المختصر کسی بھی چیز کی صفات اصلیہ کا اعتبار ہوگا اور صفات عارضہ کا اعتبار نہیں ہوگا اور دونوں میں اختلاف کے وقت فیصلہ صفات اصلیہ کے مطابق ہوگا۔ ''واللہ اعلم بالصواب۔''

قاعدہ نمبر ا ۷:

''دَلِيْلُ الشَّیْءِ فِی الْأُمُوْرِ الْبَاطِنَةِ يَقُوْمُ مَقَامَهٗ'' يَعْنِیْ اَنَّهٗ يُحْكَمُ بِالظَّاهِرِ فِيْمَا يَتَعَذَّرُ الْاِطِّلَاعُ عَلَيْهِ''

(امور باطنہ میں شئے کی دلیل ہی اس کے قائم مقام ہوتی ہے) یعنی وہ افعال جن کی حقیقت پر اطلاع پانا متعذر ہو ان پر حکم ظاہر کے مطابق لگایا جائیگا۔

ایسے تمام افعال جن کا تعلق قلب سے ہوتا ہے مثلاً خشوع وخضوع، بغض وحسد اور عداوت ومحبت وغیرہ ان کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہوتی اس لئے ظاہری افعال واعمال اور حرکات وسکنات کو دیکھ کر ہی ان میں سے کسی شئے کا حکم کسی آدمی پر لگایا جائے گا کسی کا عمل جس حکم کا تقاضا کرے گا وہی اس پر لگا دیا جائے گا۔

☆ بیع تولیہ: وہ بیع جو صرف ثمن اول کے ساتھ ہو ☆

مثالیں:

قتل عمد ثابت ہو جانے کی صورت میں قاتل کے خلاف قصاص کا فیصلہ ہوگا۔

قتل عمد کی تعریف:

" هُوَ اَنْ يَّقْصِدَ الْقَاتِلُ ضَرْبَ الْمَقْتُوْلِ بِمَا يُفَرِّقُ الْاَجْزَآءَ "

(قاتل کا ایسے آلہ کے ساتھ مقتول کو مارنے کا قصد کرنا جس سے اعضاء کو جدا جدا کیا جا سکتا ہو قتل عمد کہلاتا ہے)۔

مثلاً تلوار، کلہاڑی، چاقو یا دیگران کی مثل اوزار۔

اس میں قصد وارادہ امور باطنہ میں سے ہے، جس پر اطلاع پانا متعذر ہے اس لئے قاتل کا تیز دھار آلہ کا استعمال ہی اسکے قائم مقام ہو جائے گا اور اسی کے مطابق قصاص کا حکم لگایا جائے گا۔ بشرطیکہ شاہدوں نے تیز دھار آلے کے استعمال کی شہادت دی ہو یا قاتل نے بنفسہ اس کا اقرار کیا ہو۔ اگر چہ شہادت میں بالقصد کی تصریح نہ بھی ہو۔ جیسا کہ حاشیہ کنز میں موجود ہے۔

"لِاَنَّ الْقَصْدَ مِنْ اَعْمَالِ الْقُلُوْبِ وَلَا اِطِّلَاعَ عَلَيْهِ اِلَّا بِدَلِيْلٍ فَاِذَا ضَرَبَهٗ بِمِثْلِ مَا ذَكَرْنَا عَلِمْنَا حُصُوْلَهٗ نَظَرًا اِلَى اِسْتِعْمَالِ الْاٰلَةِ الْمَوْضُوْعَةِ لِذَالِكَ عَادَةً كَمَا اُقِيْمَ السَّفَرُ مَقَامَ الْمُشَقَّةِ"

(کنز الدقائق، ص ۴۴۷)

(کیونکہ قصد اعمال قلوب میں سے ہے اور اس پر اطلاع دلیل کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا جب کسی نے مذکورہ ہتھیاروں کے ساتھ کسی کو ضرب لگائی تو ہمیں ایسے آلہ کے استعمال کے سبب جو عادۃً اسی لئے بنایا گیا ہے قصد وارادہ کا علم ہو جائیگا جیسا کہ مسافر کیلئے سفر ہی مشقت کے قائم مقام بنایا گیا ہے)

مگر اس کے برعکس اگر قاتل نے مقتول کیلئے ایسی شئے استعمال کی جس سے اعضاء کاٹے نہ جا سکتے ہوں مثلاً لاٹھی یا پتھر وغیرہ تو یہ قتل شبہ عمد ہوگا تو اس صورت میں قاتل پر دیت واجب ہوگی۔

۲۔ اگر کسی نے راستے میں پڑی ہوئی چیز اس نیت سے اٹھالی کہ وہ اسے حقیقی مالک تک پہنچادے گا تو اپنے پاس اس کے ضائع ہو جانے کی صورت میں وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا بشرطیکہ اس

☆ بیع تولیہ: وہ بیع جو صرف ثمن اول کے ساتھ ہو ☆

نے عمداً ضائع نہ کی ہو۔ اس مسئلہ میں نیت امور باطنہ سے تعلق رکھتی ہے، جس پر مطلع ہونا متعذر ہے لہذا اس پر استدلال ظاہری دلائل سے ہی کیا جائے گا مثلاً اس کا اعلان کرنا اس کی دلیل ہے کہ اسے اٹھانے کا مقصد ذاتی استعمال میں لانا نہیں بلکہ اصلی مالک تک پہنچانا تھا۔

۳۔ شاہدوں کے تزکیہ کا ثبوت ان کے ظاہری اعمال سے فراہم ہوگا کیونکہ تزکیہ کا انحصار خوف الٰہی پر ہوتا ہے اور اسی کے سبب وہ سچ کا عادی ہوتا ہے اور جھوٹ سے نفرت کرتا ہے اور خوفِ الٰہی کا تعلق قلب سے ہے جس سے حقیقی آگاہی متعذر ہے۔ اسلیئے آدمی کے ظاہری افعال و اعمال اور اخلاق و کردار ہی اس کے قائم مقام ہو جائیں گے اور ان ہی کے مطابق کسی کے عادل، شریف اور متقی ہونے یا فاسق و فاجر اور کذاب ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

قاعدہ نمبر ۲۷:

"اَلْبَيِّنَةُ لِاِثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاهِرِ وَالْيَمِيْنُ لِاِبْقَاءِ الْاَصْلِ"

(شہادت خلاف ظاہر کے اثبات کے لئے ہوتی ہے اور قسم اصل کو باقی رکھنے کے لئے ہوتی ہے)۔

یعنی ظاہر صورت کے خلاف دعویٰ ثابت کرنے کے لئے گواہ لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ ظاہر صورت برقرار رکھنے کے لئے قسم لی جاتی ہے۔ اسی بناء پر مدعی گواہ لانے کا پابند ہوتا ہے کیونکہ اس کا دعویٰ ظاہر صورت کے خلاف ہوتا ہے اور اس کے برعکس مدعٰی علیہ سے صرف قسم لی جاتی ہے کیونکہ اس کا مقصود ظاہر حالت کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔

مثالیں:

۱۔ اگر ایک آدمی نے دوسرے کے خلاف قرض کا دعویٰ کیا تو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرے کیونکہ اس کا دعویٰ ظاہر صورت کے خلاف ہے۔ بصورت دیگر مدعٰی علیہ کا قول قسم کے ساتھ قابل تسلیم ہوگا۔ کیونکہ "اَلْاَصْلُ بَرَاءَةُ الذِّمَّةِ" (بنیادی طور پر ہر انسان دوسرے کی ذمہ داری سے بری ہے) لہٰذا یہ حکم اپنی اصلی صورت پر باقی رہے گا۔

مذکورہ قاعدہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک آدمی نے عقود اور اقرار میں رضامندی کا

☆بیع مساومہ: خرید کردہ قیمت کا اعتبار کیے بغیر کسی شے کو فروخت کرنا☆

دعویٰ کیا جبکہ دوسرے نے اکراہ کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں مدعی اکراہ کے ذمہ گواہ لانا لازم ہوں گے کیونکہ اسی کا دعویٰ ظاہری صورت کے خلاف ہے اور قسم مدعی رضا پر ہوگی۔

"لِاَنَّ الْاَصْلَ فِي الْعُقُوْدِ وَالْاِقْرَارِ الطَّوْعُ" (درمختار)

(کیونکہ عقود اور اقرار میں اصل رضامندی ہے)۔

۲۔ اگر عورت نے مرد کے خلاف نفقہ اور لباس نہ دینے کا دعویٰ کیا تو قول اسی کا معتبر ہوگا کیونکہ اس میں اصل ان دونوں کا مرد کے ذمہ باقی ہونا ہے، جیسا کہ اگر مدیون قرض کی ادائیگی کا دعویٰ کرے اور دائن اس کا منکر ہو تو قول دائن کا معتبر ہوگا مگر بینہ لانا لازم ہوگا۔ (الاشباہ والنظائر)

نوٹ:

اعارہ اور وکالت میں اصل تقیید ہے اور اطلاق (مطلق ہونا) خلاف ظاہر ہے، اور کفالت ومضاربت میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی اطلاق اصل ہے اور تقیید خلاف ظاہر ہے۔ (درمختار) لہٰذا جس نے ان امور میں ظاہر صورت کے خلاف دعویٰ کیا اسی سے گواہ طلب کئے جائیں گے، اور جس نے اصل سے استدلال کیا اس کا قول قسم کے ساتھ قابل تسلیم ہوگا۔

قاعدہ نمبر۷۳:

"اَلْمَرْءُ مُؤَاخَذٌ بِاِقْرَارِہٖ"

(آدمی کا اپنے اقرار کے ساتھ مواخذہ کیا جائے گا)۔

آدمی کا اقرار قابل تسلیم ہوتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا درست ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں ورنہ اقرار معتبر نہیں ہوگا۔

۱۔ اقرار مقر کی رضامندی اور خوشی سے ہو اگر اقرار بالجبر ہوگا تو وہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

۲۔ اقرار کرنے والا عاقل اور بالغ ہو اگر وہ مجنون یا نابالغ ہوگا تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

۳۔ حاکم کا حکم اسے جھٹلا نہ سکتا ہو۔

۴۔ مقر نے جس شئی کا اقرار کیا ہے وہ امر محال نہ ہو کیونکہ امر محال کا اقرار شرعاً باطل ہوتا ہے۔ پس اگر ورثاء میں سے کسی نے ایک وارث کے حق میں اس کے شرعی حصہ سے زائد کا اقرار کیا

☆ بیع باطل: جو بیع نہ اصل کے اعتبار سے جائز ہو اور نہ ہی وصف کے اعتبار سے ☆

تو وہ اقرار باطل ہوگا۔ مثلاً میت نے اپنے ورثا میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اور بیٹے نے یہ اقرار کیا کہ میراث ہم دونوں میں برابر تقسیم ہوگی تو اس کا یہ اقرار باطل ہوگا کیونکہ بیٹے کے مقابلہ میں بیٹی کے لئے ۲/۱ حصہ شرعاً مقرر ہے اس شرط کے ساتھ اقرار کے بطلان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ امر من کل الوجوہ محال ہو لہٰذا اگر کسی نے بچے (صغیر) کے حق میں یہ اقرار کیا کہ اس نے مجھے ہزار روپے بطور قرض دیئے ہیں یا میرے ذمہ اس کے لئے ہزار روپے اس مبیع کی قیمت میں سے دینا لازم ہیں جو اس نے مجھے فروخت کی تھی تو ایسا اقرار درست ہوگا۔ حالانکہ بچہ قرض دینے یا عقد کرنے کے اہل نہیں اور قطعاً یہ تصور نہیں ہوسکتا کہ بچے نے بذاتِ خود یہ قرض دیا ہو یا مبیع فروخت کی ہو مگر اس کے باوجود یہ اقرار اس لئے درست ہے کہ اقرار کرنے والا صغیر کے لئے قرضہ کے ثبوت کا محل ہے اس لئے وہ قرض اسی پر محمول کیا جائے گا۔ (الاشباہ والنظائر) اور حاشیہ کنز میں بھی ہے:

> "لِاَنَّ الْعَاقِلَ لَا یَقِرُّ عَلٰی نَفْسِهٖ کَاذِبًا فِیْمَا فِیْهِ ضَرَرٌ عَلٰی نَفْسِهٖ اَوْ مَالِهٖ فَتَرُجَحُ جِهَةُ الصِّدْقِ فِیْ حَقِّ نَفْسِهٖ لِعَدَمِ التُّهْمَةِ وَکَمَالِ الْوِلَایَةِ" (کنز الدقائق، ص۳۲۴)
>
> (کیونکہ عاقل اپنے بارے ایسا جھوٹا اقرار نہیں کرتا جس میں اس کی ذات یا مال کا نقصان ہو، اس لئے اس کے اپنے حق میں عدم تہمت اور ولایۃ تامہ کے سبب اقرار کی جہۃ صدق کو ترجیح دی جائے گی)۔

۵۔ مذکورہ قاعدہ نص قرآنی، حدیث نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے مثلاً قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے: "وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ" (البقرۃ، ص۳، ۲۸۲)

(چاہئے کہ لکھوا لے جس پر کوئی حق ہو) اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے املال (لکھوانے) کا حکم ارشاد فرمایا ہے اگر اس کا اقرار قابل قبول نہ ہوتا تو اس کے لئے لکھوانے کا حکم بھی نہ ہوتا۔ اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار پر عمل کرتے ہوئے حضرت ماعز اور غامدیہ پر حدود شرعیہ کا نفاذ کیا تھا۔ اگر اقرار قابل تسلیم نہ ہوتا تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اقرار پر عمل کرتے ہوئے قطعاً رجم جیسی سنگین سزا نافذ نہ فرماتے اور علاوہ ازیں اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ اقرار مقر کی ذات کے حق میں حجت ہے جیسا کہ حاشیہ کنز میں موجود ہے:

☆ احتکار: لوگوں کی ضرورت کے وقت گرانی کی نیت سے غلہ کو روکنا احتکار کہلاتا ہے ☆

"لِاَنَّ الْاُمَّةَ اَجْمَعَتْ عَلٰی اَنَّ الْاِقْرَارَ حُجَّةٌ فِیْ حَقِ نَفْسِہٖ"

(کنز الدقائق، ص ۳۲۴)

قاعدہ نمبر ۴۷:

"اَلْأَصْلُ اَنَّہٗ لَا تَجُوْزُ الشَّھَادَةُ بِشَیْءٍ اِلَّا اِذَا عُلِمَ بِوَجْہٍ مِّنَ الْوُجُوْہِ الْمُوْجِبَةِ لِلْعِلْمِ"

(بنیادی طور پر کسی شئی کے بارے شہادت جائز نہیں ہوتی مگر جبکہ اسے موجب علم اسباب میں سے کسی کے ذریعہ جانا جائے)۔

اسباب علم چار ہیں: (۱) حواسِ خمسہ، (۲) نقل متواتر، (۳) عقل، (۴) استدلال جب تک مذکورہ اسباب میں سے کسی کے ذریعہ کسی شئی کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہوں تب تک اس کے بارے شہادت دینا جائز نہیں ہوتی۔

ا۔ حواسِ خمسہ:

ان سے مراد وہ پانچ حواس ہیں جن کے ذریعے آدمی کسی چیز کے بارے معلومات حاصل کرسکتا ہے۔ (۱) قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت (آنکھ)، (۲) قوت سامعہ (سننے کی قوت (کان)، (۳) قوۃ شامہ (سونگھنے کی قوت (ناک)، (۴) قوت ذائقہ (چکھنے کی قوت (زبان)، (۵) قوت لامسہ (چھونے کی قوت (ہاتھ)۔

مثالیں:

۱۔ دو آدمیوں نے کسی شئی کے بارے میں باہم عقد کی اس حال میں کہ تیسرا فرد پاس کھڑے ہو کر مشاہدہ کررہا ہو تو پھر اختلاف کی صورت میں قاضی کے پاس تیسرے فرد کی شہادت جائز ہوگی کیونکہ اسے اس کا علم مشاہدہ یعنی قوت بصارت سے حاصل ہوا تھا۔

۲۔ زوجین کے مابین مذاکرۂ طلاق ہورہا ہو اس حال میں کہ تیسرا فرد قریب سے ہی ان کی گفتگو سن رہا ہو اسی دوران خاوند نے بیوی کو طلاق دے دی تو اس سنی ہوئی گفتگو کی بناء پر تیسرے فرد کیلئے طلاق کے حق میں شہادت دینی جائز ہے کیونکہ اسے قوت سامعہ کے ذریعہ اس کا علم حاصل ہوا ہے۔

☆اجارہ: کسی چیز کے معین معلوم منافع کو معین معلوم قیمت پر فروخت کرنا اجارہ ہے☆

۳۔ اگر کسی نے اپنی ناک کسی شخص کے منہ کے قریب کی اور سونگھ کر شراب کی بو محسوس کی تو اس کے خلاف شراب پینے کی شہادت دینا اس کے لئے جائز ہے کیونکہ اسے قوت شامہ کے ذریعہ اس کا علم ہوا ہے۔

۴۔ متعاقدین نے مخصوص پھل کی بیع کی اور مقررہ قیمت کے لئے اس کے میٹھا ہونے کی شرط قائم کر دی بعد میں بائع اور مشتری کے مابین شرط کے وجود یا عدم وجود کے سبب طے شدہ قیمت میں اختلاف ہو گیا تو اس میں ایسے آدمی کی شہادت جائز ہوگی جس نے قوتِ ذائقہ سے پھل کی کیفیت کو معلوم کیا ہو کہ آیا اس میں میٹھا ہونے کی شرط موجود ہے یا نہیں۔

۵۔ اگر چیز ایسی ہو جس کا علم مذکورہ حواس سے نہ ہو سکتا ہو بلکہ اسے جاننے کے لئے قوتِ لامسہ (ٹٹولنے) کے استعمال کی ضرورت ہو مثلاً کسی شئی کا ملائم ہونا یا کھردرا ہونا وغیرہ تو اختلاف کی صورت میں اس کی شہادت وہی دے سکتا ہے جس نے اسے چھو کر اس کا علم حاصل کیا ہو۔

۲۔ نقل متواتر:

اس سے مراد اتنے آدمیوں کا کسی واقعہ کی شہادت دینا ہے جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عقلاً محال ہو۔ اگر کسی نے اتنے کثیر افراد سے سن کر کسی واقعہ کی شہادت دی تو وہ صحیح ہوگی۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے رمضان المبارک یا عید کے چاند کے طلوع ہونے کے بارے میں اتنے کثیر افراد سے سنا جو اتفاقاً جھوٹ پر جمع نہ ہو سکتے ہوں تو اس کے لئے چاند طلوع ہونے کی شہادت دینا جائز ہے، اگرچہ اس نے بنفسہ چاند نہ دیکھا ہو کیونکہ اس کی شہادت نقل متواتر کی بناء پر ہے۔

۲۔ شہادت صحیح ہونے کے لئے شاہدوں کا عادل ہونا بنیادی شرط ہے لہٰذا اگر مدعٰی علیہ کی جانب سے ان کی عدالت پر اعتراض ہو یا شہادت کا تعلق حدود و قصاص سے ہو تو قاضی پر لازم ہوتا ہے کہ شاہدوں کی عدالت اور تزکیہ کے بارے میں ظاہراً اور باطناً ہر دو طریقوں سے تحقیق کرے، اگر لوگوں کی کثیر تعداد نے ان کی عدالت و تزکیہ کی شہادت دے دی تو ان کی گواہی قابل تسلیم ہوگی اور اگر اکثریت کی رائے اس کے برعکس ہو تو پھر ان کی شہادت معتبر نہیں ہوگی۔ مختصر یہ کہ شاہدوں کے بارے میں قاضی کا فیصلہ نقل متواتر کی بناء پر ہوگا۔

☆ اقالہ: خرید و فروخت کے معاملہ کو ختم کرنا اقالہ کہلاتا ہے ☆

۳۔ عقل:

بعض مسائل میں بذریعہ عقل حقیقت تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے، مزید دلائل یا علم کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً کسی بالغہ بچی کی شادی ایسے صغیر بچے سے ہوئی جو وطی پر قادر نہ ہو اور پھر عورت نے فعل زنا کے سبب بچہ جنا مگر جب عورت سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے اس بچے کی نسبت اس صغیر کی طرف کر دی تو اس صورت میں عورت کو اپنے قول میں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے شاہدوں یا دیگر ذرائع کی ضرورت نہیں بلکہ صرف عقل ہی اس کے ثبوت کذب کے لئے کافی ہے۔

۴۔ استدلال:

نظر و استدلال سے حاصل ہونے والے علم کے ساتھ شہادت دینے کی بنیاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ شہادت ہے جو آپ نے حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس دی تھی، تفصیل اس طرح ہے کہ ایک آدمی نے شراب کی قے کی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابو ہریرہ کیا تم اس کے شراب پینے کی شہادت دیتے ہو؟ تو آپ نے کہا جی ہاں! میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اس نے شراب پی ہے کیونکہ اس نے شراب کی قے کی ہے یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کیسی گہری نظر ہے۔ جیسا کہ فقہ الاسلام میں موجود ہے:

> "اِنَّ رَجُلًا قَـاءَ خَـمْرًا فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَتَشْهَدُ اَنَّهٗ شَرِبَهَا؟ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّهٗ قَاءَ هَا فَقَالَ عُمَرُ مَا هٰذَا التَّعَمُّقُ"
>
> (تو اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قے سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر اس نے شراب نہ پی ہوتی تو وہ شراب کی قے نہ کرتا مگر اس نے شراب کی قے کی ہے لہٰذا اس نے شراب پی ہے۔

تنبیہ:

مذکورہ قاعدہ کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ کسی کے لئے بھی بلا تحقیق وثبوت شہادت دینا قطعاً جائز

☆ بیع من یزید: بولی کی بیع (یعنی جو زیادہ قیمت لگائے گا) اسی کو شے فروخت کی جائے گی ☆

نہیں بلکہ شہادت کے سچ ہونے میں شاہد کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو۔ ایسی جھوٹی شہادت جو محض حسد، کینہ اور بغض وعداوت کی بناء پر دی جائے اسے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گناہ کبیرہ میں شمار کرتے ہوئے شرک کے مساوی قرار دیا ہے۔ چند ارشادات نبوی ملاحظہ فرمایئے:

"عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَبَائِرِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ" (عمدۃ القاری، ج ۱۳، ص ۲۱۵)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ کبیرہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی آدمی کو قتل کرنا اور جھوٹی شہادت دینا)۔

۲۔ "عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلاَ اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلاَ ثًا قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ اَلاَ وَقَوْلُ الزُّوْرِ قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ" (عمدۃ القاری، ج ۱۳، ص ۲۱۷)

(حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں گناہ کبیرہ کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟ آپ نے یہ جملہ تین بار فرمایا صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا پھر آپ سیدھے بیٹھے درآنحالانکہ آپ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے اور فرمایا خبردار! اور جھوٹا قول، حضرت ابوبکرہ کے والد کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری کلمہ دہراتے رہے یہاں تک کہ ہمیں یہ خیال آنے لگا کہ اے کاش آپ خاموش ہو جائیں)۔

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

۳۔ ”عَنْ خُرَیْمِ بْنِ فَاتِکٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَھَادَۃُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاکِ بِاللّٰہِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ ”فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ط حُنَفَآءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ ط“

(عمدۃ القاری، ج ۱۳، ص ۲۱۸)

(حزیم بن فاتک روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صبح کی نماز پڑھائی جب آپ پیچھے مڑے (لوگوں کی جانب رخ فرمایا) تو کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ جھوٹی شہادت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اور پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ”بتوں کی پلیدی سے اجتناب کرو اور جھوٹے قول سے بچو، یکسر اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہوتے ہوئے نہ کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے)۔

تو چونکہ جھوٹی شہادت کے متعلق اتنی شدید وعید موجود ہے اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگاتے، ایک دن تک قید رکھتے، اس کا منہ کالا کرتے، اس کا سر منڈا دیتے اور اسے بازار میں پھراتے تاکہ اس کی خوب تشہیر ہو۔ (ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۳۷۷) اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف وحضرت امام محمد) کا مؤقف یہ ہے:

”یُضْرَبُ وَیُحْبَسُ اِنْ لَّمْ یُحْدِثْ تَوْبَۃً لِاَنَّہٗ ارْتَکَبَ مَحْظُوْرًا فَیُعَزَّرُ“ (عمدۃ القاری، ج ۱۳، ص ۲۱۷)

(جھوٹے گواہ کو مارا جائے گا اور اسے قید میں رکھا جائے گا اگر اس نے ظاہراً توبہ نہ کی چونکہ اس نے ایک ممنوع چیز کا ارتکاب کیا ہے اس لئے اسے تعزیر لگائی جائے گی)۔ واللہ اعلم بالصواب

حد یعمل فی الارض خیر لاھل الارض من ان یمطروا اربعین صباحا ☆ الحدیث